دعوتِ دین میں منصوبہ سازی

ایچ عبدالرقیب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہر کام منصوبہ بند، حکمت و تدبر اور فہم و فراست سے لبریز ہوتا تھا۔ آپؐ نے جنگ بدر کے موقع پر جو منصوبہ بندی کی وہ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ سب سے پہلے آپؐ نے دو افراد مقرر کیے، جنھیں ملک شام سے آنے والے مشرکینِ مکہ کے کارواں کی آمد کی اطلاع دینے پر مامور کیا۔ مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے شمال کے بجائے مدینہ کے جنوب کی طرف کوچ کیا تاکہ وہ دشمن تک پہنچنے سے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچ سکیں۔ آپؐ نے مناسب جگہ کا انتخاب کرتے ہوئے کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ دشمن کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ایک نگراں دستہ بھیجا۔ دو آدمیوں کو گرفتار کر کے ان سے دشمنوں کی تعداد کے ساتھ یہ بھی معلوم کیا کہ کون کون سے سردار آئے ہوئے ہیں؟ آپؐ کے اصحاب کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ مختلف حصوں میں انھیں تقسیم کیا۔ فوج کا مقدمہ، میسرہ، میمنہ وغیرہ ترتیب دیا، اس کے سردار مقرر کیے، پھر احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ ایک جھونپڑی تیار کی، تاکہ آپ وہاں سے فوج کی حرکات پر نظر رکھ سکیں اور اس جھونپڑی کی حفاظت کا بھی انتظام کیا۔ دو تیز رفتار اونٹنیاں تیار رکھیں، تاکہ حالات خراب ہوں تو حفاظتی تدابیر پر عمل درآمد کیا جاسکے۔

پھر اللہ کے حضور سربسجود ہوئے اور تاریخی دعا کی۔ اس کے بعد باہر نکلے، فوج کو خطاب فرمایا، ان کے دلوں میں ولولہ انگیز جذبہ پیدا کیا۔ یہ کچھ تفصیلات ہیں جو جنگ سے پہلے کی منصوبہ بندی کی مختصر تصویر پیش کرتی ہیں۔ بدر کے میدان میں کیسے جنگ ہوئی، اس کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ یہ اور اس کے علاوہ سیرت کے مختلف واقعات میں آپؐ کی فہم و فراست اور منصوبہ بندی کے نادر نمونے ملتے ہیں۔

دعوتِ دین کا کام منصوبہ بندی چاہتا ہے

دعوتِ دین کا کام تو اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ دعوتِ دین کا کام ایک غیر معمولی کام ہے اور اس کام کو کرنے کے لیے ہمیں ایک جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ہمیں مرحلہ وار، اس کی میعاد اور مقدار مقرر کر کے آگے بڑھنا ہوگا اور درمیانی مدت میں ٹھیر کر جائزہ لینا ہوگا کہ ہم نے جو اہداف مقرر کیے ہیں کیا وہ کافی ہیں؟ اور جو ذرائع اختیار کر رہے ہیں کیا وہ مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہو رہے ہیں؟ اس میں کمی یا خامی ہو تو اس کو دُور کر کے آگے بڑھنا چاہیے، اہداف کا تعین اور احتساب کا عمل دونوں ساتھ ساتھ جاری رہنا چاہیے۔

منصوبہ بندی میں ترجیحات مقرر ہوتی ہیں، جو کام کو مرحلہ وار کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ بعض کام اوّلین اہمیت کے اور ناگزیر ہوتے ہیں، اس کے بغیر منصوبہ کی طرف پیش قدمی نہیں ہوسکتی۔ منصوبہ بندی میں بعض امور کی منصوبہ بندی طویل المیعاد بنیادوں پر کی جاتی ہے اور بعض امور کی ایک قریبی متعین میعاد کے لیے کی جاتی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ منصوبہ بندی باقاعدہ اور زمانے و حالات کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

دعوتِ دین کا آخری مرحلہ اور اس کی تکمیل اظہارِ دین یا دین اسلام کے غلبے کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ ہمارا ہدف ہے جو ایک طویل، صبر آزما اور نتیجہ سے بے پروا ہو کر کرنے کا کام ہے۔ یہاں چند گزارشات دعوت کی منصوبہ بندی کے متعلق پیش کی جارہی ہیں:

داعی افراد کی تیاری

سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ داعی ہے اور اس پیغام کا امین ہے، جو اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سپرد کیا ہے۔ آپؐ نے اپنے آخری حج میں اس کے ذمے یہ کام کیا تھا کہ وہ تمام انسانوں تک اپنے قول و عمل کے ذریعے اللہ کا پیغام بالکل اسی طرح پہنچائے، جس طرح خود آپؐ نے اس تک پہنچایا تھا۔ دعوت کا کام کسی ایک فرد یا جماعت کا نہیں بلکہ پوری امت کا ہے اور یہ امت داعی امت ہے۔ اسے خود کو اور تمام انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانا اور جنت کی ابدی کامرانیوں سے ہم کنار کرنا ہے۔ اُمت مسلمہ نے اپنے دورِ زوال میں اس کام سے غفلت برتی، جس کی وجہ سے آج اسے

ذلت ورُسوائی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ دعوت کی تڑپ اوراس پیغام کو پہنچانے کی فکر اگر امت کے ہرفرد میں پیدا ہوجائے تو دعوت کا یہ کام بہتے ہوئے پانی کی طرح اپنی راہیں خود متعین کرلے گا اورغیب سے نصرتِ خدا وندی حاصل ہوگی۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں اس امت میں داعیوں کا ایک گروہ تیار کرنا ہوگا، جو دعوت کی تڑپ رکھتے ہوں، دعوت کے مزاج ومنہاج کو بھی سمجھتے ہوں اوراس راہ کی آزمایشوں کو صبر وہمت سے انگیز کرسکتے ہوں۔ ہماری سب سے اہم ترجیح ''صلاحیت اورصالحیت والے افراد کی تیاری'' ہونی چاہیے۔

مخاطب قوم کی نفسیات اور رجحانات کو سمجھنا

دوسری اہم بات مخاطب قوم کی نفسیات،نظریات اوررجحانات کو سمجھنا ہے۔فریقِ ثانی کی پسند اورناپسند کو جاننا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ بہت سی ہندو روایات اور جاہلیت کی متعدد رسوم اور توہمات کا شکار ہوکر، دین سے بہت دُور جاپڑا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے خود اس معاشرے سے قریب ہونے کی ضرورت ہے، ذاتی روابط سے اسے جاننے کی کوشش ہونی چاہیے۔مثال کے طور پر آج عیسائی مشنری تربیتی اداروں میں جوعیسائی مبلغ تیار ہوتے ہیں، ان کے نصاب میں دیگرمذاہب کےتعلق سے اسباق ہوتے ہیں اور چند ہفتے ان مبلغین کومتعلقہ مذہب کی سوسائٹی میں رکھ کرحقیقی صورت حال سےواقفیت حاصل کرائی جاتی ہے۔

ہرسال امریکا کے Olaf کالج سےطلبہ وطالبات کا ایک گروپ اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ، چنئی آتا ہےاورتقریباً پورا دن اسلام اور مسلمانوں کےتعلق سےمعلومات حاصل کرنے میں گزارتا ہے۔ ان کی غلط فہمیوں کودورکرنااوردین حنیف کی سادہ اور سچی تعلیمات کواس کے سامنے اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ الحمدللہ یہ سلسلہ کئی برسوں سے چل رہا ہےاوراس کے مفیداورمثبت نتائج رونما ہوئے ہیں۔

مخاطب قوم کی زبان سے اچھی طرح واقفیت اوراس پرعبور حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ يُخَاطِبُ كُلَّ قَبِيْلَةٍ بِلِسَانِهَا وَيُحَاوِرُهَا بِلُغَتِهَا (الرحیق المختوم،صفی الرحمان مبارک پوری، ج۹،ص ۴۷۸)'' آپ ہرقبیلہ سےاس کی زبان میں گفتگوفرماتے اوراسی زبان کے محاورے استعمال فرماتے''۔

دعوت کے کام کی اہمیت کے پیش نظراردو زبان ہی کافی نہیں ہے بلکہ مقامی زبانیں سیکھنے

اوران میں ادبی کمال پیدا کرنے اوران میں کلام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

موجودہ دور میں کسی قوم کے رجحانات اورنظریات کو جاننے کے لیے شماریاتی جائزے (Statical Survey) کرائے جاتے ہیں۔اس فن کے ذریعے سے بھی مخاطب قوم کی نفسیات اور رجحانات کو سمجھا جاسکتا ہے۔پھر نومسلم حضرات کے حالات زندگی سے بھی اس کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

غیر مسلموں سے تعلقات موجودہ دور کی ضرورت

دعوتِ دین کا کام اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں میں بھی پوری لگن سے کیا جائے۔اس مقصد کے لیے غیر مسلموں سے تعلقات بڑھائے جائیں۔نفرت، اجنبیت اورتعصب کی جودیواریں برسوں سے کھڑی ہوئی ہیں، انھیں منہدم کرکے بے لوث انسانی روابط قائم کیے جائیں۔ہم دنیوی امورومعاملات کے لیے مختلف حیثیتوں سے روابط رکھنے پر مجبور ہیں،لیکن ہمارے درمیان برسوں سے غیر مسلم بھائی بہن رہتے ہیں،تعلقات بھی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں مگر دینی نقطۂ نظر سے،ہم نے ان تک پیغام حق کبھی نہیں پہنچایا۔ان کے دکھ درد میں کام آنا، ان کی خوشیوں میں شامل ہونا،انھیں مفید مشورے دینااوران کے اعتماد اورحُسن ظن کوحاصل کرنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں تحفہ تحائف کا لین دین بھی مفید اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔ الفاروق میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل کیا ہے کہ زکوۃ کی آٹھ مدات میں مسکین سے مراد ان کے نزدیک غیر مسلم فقراء اور مستحق تھے۔بعض مشہور اہلِ علم جیسے ابومیسرہؒ، عمر بن میمونؒ اورعمر بن شرحبیلؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ صدقۂ فطر سے عیسائی راہبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔بعض فقہائے کرام نے غیر مسلموں کوقربانی کا گوشت دیناجائز اورموجودہ حالات میں مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے اورروابط قائم کرنے کے جو بھی ذرائع اورمعروف طریقے ہوں انھیں بھرپوراستعمال کرنا چاہیے۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کاازالہ

اسلام اورمسلمانوں کےتعلق سے کئی قسم کی غلط فہمیاں غیر مسلموں کے اندر پائی جاتی ہیں۔ دعوتِ دین کی منصوبہ بندی میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنا بھی بہت ضروری ہے۔اس لیے کہ الناس اعداء لما جھلوا ''لوگ اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے''۔اسلام کے عدم مطالعہ،

غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے اور خود مسلمانوں کے غلط کردار اور رویے کی وجہ سے بہت ساری غلط فہمیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ اگرچہ پہلے بھی صورت کچھ اچھی نہ تھی، لیکن نائن الیون کے بعد اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنے کی مذموم کوشش اپنے برگ و بار لا رہی ہے۔ اسی طرح ایک غلط تصور 'وحدت ادیان' کا ہے کہ ''تمام مذاہب ظاہری فرق کے باوجود حقیقت میں ایک ہیں۔ وہ ایک ہی مشترک منزل کی طرف جانے کے متعدد راستے ہیں''۔ اس معاملے میں ہمیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرنی ہوگی اور اسلام کو دین حق اور نجات کا واحد حل ثابت کرنے کی حکمت و دانائی سے کوشش کرنی چاہیے۔ مذاہب کے بنیادی اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا احترام (Respect) کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور آپس کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کو تیز تر کرنے کی ضرورت ہے۔

مناظرہ کے بجائے مکالمہ کی ضرورت

اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے انفرادی روابط، وفود کے ذریعے ملاقاتیں، بالمشافہ گفتگوئیں، سمپوزیم، سیمینار، تقاریر و خطابات، کارنر میٹنگیں وغیرہ کا اہتمام کرنا ہوگا۔ مختلف مذہبی لیڈروں اور قائدین کے درمیان مذاکرات بھی اس سلسلے میں مفید اور مؤثر ثابت ہوسکتے ہیں۔ مستشرقین اور آریہ سماجیوں نے ماضی میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر رکیک حملے کیے تو ہمارے علمائے کرام نے عیسائی پادریوں اور ہندو رہنماؤں سے مناظرے کیے اور کئی ایک کو شکست بھی دی۔ اس قسم کے مناظروں سے اسلام کی عظمت و رفعت اور مسلمانوں میں اعتماد اور حوصلہ تو پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود فریق ثانی کو اسلام کا قائل نہیں کرایا جاسکتا، کیوں کہ مناظرے میں ایک فریق ہارتا اور دوسرا جیتتا ہے، جب کہ دعوت کا کام دلوں اور دماغوں کو متاثر کرنا اور مدعو کے دل میں داعی سے انس پیدا کرنا اور اس کے دل و دماغ میں سوالات پیدا کرکے اسے سوچنے اور غور و فکر کرنے کا موقع دینا ہے۔ اس لیے آج کے دور میں مناظرہ (Debate) کے بجائے مکالمہ (Dialogue) کی ضرورت ہے۔ مکالمے و مذاکرے میں فریق کے دلائل کو سننا، اس کے اچھے نکات کی تعریف کرنا اور بعض اختلافی باتوں پر دلائل کے ساتھ گفتگو کرنا ضروری ہے۔ مکالمے میں اپنی بات کو پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ پیش کرنا ایک فن ہے اور اپنی بات کی مؤثر انداز میں ترسیل کرنا (Effective Communication) دور جدید کا ایک آرٹ ہے۔ ہماری دعوتی

منصوبہ بندی میں اس قسم کے ماہرین کو تیار کرنا بھی ضروری ہے۔

دوسری بیعت عقبہ کے بعد رسولؐ نے مدینہ کے سرداروں کی فرمایش پر کہ ان کے پاس ایسا معلم بھیجیں، جو انھیں اسلام کی تعلیم دے۔ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا جو بہت ہی مخلص اور ماہر نفسیات صحابی تھے۔ لوگوں کو اسلام پر آمادہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیتیں ان میں موجود تھیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ قبیلہ بنی عبد الاشہل کے کچھ لوگوں کو اسلام کی دعوت سے روشناس کرا رہے تھے کہ قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر دونوں وہاں پہنچے۔ اسید جو دراصل اپنے قبیلے کے سردار اور سب سے زیادہ حلیم اور بردبار اور صاحب فضل و کمال شخصیت تھے، حضرت مصعبؓ کی دعوتی سرگرمیوں سے سخت ناراض تھے اور اپنا نیزہ اٹھا کر آئے تھے۔

انھوں نے حضرت مصعبؓ کے پاس پہنچ کر سخت لہجے میں کہا: 'تم لوگوں کو ہمارے محلے میں آنے اور ہمارے کمزور لوگوں کو گمراہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟' مصعبؓ نے بڑے ہی خلوص اور دل کش لہجے میں مخاطب کر کے کہا: 'اے سردار، کیا آپ پسند کریں گے کہ میں آپ کے سامنے بھی اچھی بات پیش کروں؟'۔ 'وہ کون سی بات ہے؟' اسید نے پوچھا۔

'آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں اور غور سے ہماری باتیں سنیں۔ اگر پسند آئیں تو قبول کر لیجیے گا اور ناپسند ہوں تو ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے' حضرت معصبؓ نے فرمایا۔

'تم نے انصاف کی بات کہی'، یہ کہتے ہوئے اسید اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ پھر جب حضرت مصعبؓ نے انھیں اسلام کی حقیقت سمجھائی اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو ان کی پیشانی پر پڑی ہوئی شکنیں دور ہوگئیں اور چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ بول اٹھے کہ ہم اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔

قصہ گوئی (Story Telling) آج کے دور میں افکار کو پھیلانے اور سمجھانے کا اسی طرح ایک بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے جس طرح ماضی میں تھا۔ یہاں تک کہ جدید مینجمنٹ کے کورس میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن میں بھی قصص موجود ہیں اور سورۂ یوسف کو تو احسن القصص قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ نے بھی تمثیل اور قصّے کے ذریعے دین و شریعت کے مقاصد و منہاج کو

ساری انسانیت کے سامنے پیش کیا اور صحابہ کرامؓ کی تربیت فرمائی اور دعوت کا ذریعہ بھی بنایا۔ ان سب کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا جائے تو دعوت کے میدان میں مؤثر پیش رفت ہوسکتی ہے۔

مشترکہ امور میں غیر مسلموں کے ساتھ تعاون

دعوتِ دین کو مؤثر بنانے میں غیر مسلموں سے تعاون اور مشترک امور میں مل جل کر کام کرنے کی منصوبہ بندی بھی ضروری ہے۔ بھلائیوں کے فروغ، برائیوں کے ازالے، سماجی اور معاشی مسائل کے حل کے لیے باہم تعاون واشتراک کی صورتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (المائدۃ ۵:۲) کے تحت رشوت خوری، شراب، جوا اور خواتین پر ظلم وستم وغیرہ جیسے منکرات، صحت وصفائی، عفت و پاکیزگی اور خواندگی وغیرہ جیسے مسائل میں ہمیں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔ اس سے ان کو یہ احساس دلایا جاسکے گا کہ اسلام ساری انسانیت کا خیرخواہ ہے اور یہ دین ربّ العالمین کا ہے اور اس کے پیغمبر رحمۃ للعالمینؐ ہیں۔ ان مشترک کاموں کی وجہ سے روابط بڑھیں گے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے، غلط فہمیوں کو دُور کرنے کا موقع ملے گا اور مسلمانوں کی حقیقی تصویر سامنے آئے گی کہ یہ انسانوں کے حقیقی خیرخواہ ہیں، جس سے دعوتِ دین کے کام میں بڑی مدد ملے گی۔

سیرتِ رسولؐ میں 'حلف الفضول' کا ذکر آتا ہے جو جاہلیت کے دور میں شہر مکہ کے صاحبِ دل و دردمند لوگوں نے مظلومین کی امداد کے لیے ایک انجمن بنائی۔ اس میں شریک لوگ متحد ہوکر رضاکارانہ طور سے اپنے شہر میں مظلوموں کی مدد کرتے، ظالموں سے ان کا حق دلاتے اور انھیں ظلم سے باز رکھتے تھے۔ اس معاہدے میں شرکت آپ کی ابتدائی زندگی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے اور آپ کی قومی زندگی (پبلک لائف) کا اولین سنگ میل ہے۔ سیرت نگاروں نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا، اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑ کر جاؤں گا۔

'حلف الفضول' کی تفصیلات کی روشنی میں آج کے دور میں عدل وقسط کے قیام اور ظلم واستحصال کے خلاف (غیر مسلموں کے ساتھ مل کر) مشترکہ طور پر فورم تشکیل دیں اور اس طرح سنت نبویؐ کی

پیروی میں ان بنیادی انسانی اقدار کو اجاگر کر کے دین حق کی تعلیمات کو معاشرے کے تمام طبقات میں واضح طور پر عملی شکل میں پیش کر سکتے ہیں۔

دین کا جامع تصور پیش کیا جائے

اس بات کی بھی سخت ضرورت ہے کہ ملت میں رائج 'تصور دین' کو کتاب وسنت کے مطابق صحیح رخ دیا جائے۔ عام طور پر 'دین داری' اسی کو سمجھا جاتا ہے کہ آدمی ذکر وعبادات کا اہتمام کرے اور دنیوی کاروبار سے دور رہے۔ یہ تصور دراصل عجمی یا ویدانتی تصوف اور رہبانیت کا ہے۔ اس کے برعکس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ (ابن ماجہ، کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء، حدیث: ۴۰۳۲) وہ مسلمان جو عوام سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرتا ہے، وہ یقیناً اس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ عوام سے روابط رکھتا ہے اور نہ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرتا ہے۔

فرمانِ رسولؐ میں لفظ 'الناس' قابل غور ہے۔

دعوت اسلامی کے سلسلے میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے مزاج میں خیر پسندی اور خیرخواہانہ جذبات کے فروغ کی پیہم کوشش کی جائے۔ جذباتی ردعمل کی بجائے مسائل کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے، عجلت پسندی کے بجائے دوراندیشی سے کام لینے کی عادت ڈالی جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی ضروری ہے کہ اختلافی اور فروعی مسائل میں لوگوں کے ساتھ نرمی برتی جائے اور اساسی واصولی باتوں کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا تھا: تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ انھیں پہلے توحید ورسالت کی دعوتِ دینا، جب وہ مان لیں کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں تو پھر انھیں بتانا کہ ان پر اللہ نے زکوٰۃ فرض کی ہے (متفق علیہ)۔ یوں آپؐ نے بتدریج کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح مسلکی، گروہی اور جماعتی تعصّبات اور اختلافات سے بلند ہو کر مبادیات دین کی طرف دعوت کا رخ کیا جائے۔ دین کو آسان بنا کر پیش کیا جائے اور افراط وتفریط کی بجائے

راہِ اعتدال کی طرف توجہ مرکوز کی جائے۔

دعوتِ دین کے کام میں قرآن و سنت سے راہ نمائی

قرآن حکیم کتاب دعوت ہے اور نبی کریمؐ داعی اعظم ہیں۔ دعوتِ دین کے لیے خالص دعوتی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آیات کے نزول کا پس منظر اور داعی اعظمؐ کا اس سلسلے میں اسوہ و عمل پیش نظر رہنا چاہیے۔ آج کے درپیش مسائل میں اللہ کی کتاب سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے ہمیں اس پر غور و فکر کرنا اور لائحۂ عمل کا نقشہ بنانا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی طرف سے فرعون جیسے جابر بادشاہ کے سامنے دعوت حق دینے کے موقع پر اللہ کی ہدایت کہ نرمی سے بات کرو، حضرت یوسفؑ کا قید خانے میں قیدیوں کے ساتھ دعوتی گفتگو کرنا، حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ اور قبیلے کے لوگوں کے ساتھ رویہ، اور حضرت یونسؑ کے واقعہ کے پس منظر وغیرہ کو سامنے رکھنے سے ہمیں دعوتی کاموں میں رہنمائی حاصل ہوگی۔

قرآن حکیم کی طرح اسوۂ رسولؐ سے بھی روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے مختلف کاموں کے لیے خود مشرکین و کفار سے بھی مختلف مواقع پر مدد حاصل کی ہے۔ مثلاً: آپؐ، مطعم بن عدی کی حمایت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن اریقط کو ہجرت کے پُرخطر سفر کے لیے رہنما بنایا، اور غزوۂ بدر کے بعد دوسری بار نجاشی کے دربار میں عمر بن امیہ الضمری کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس طرح کیا آج ہم بھی اپنے دعوتی کاموں کے لیے مشرکوں اور کافروں سے مدد حاصل نہیں کر سکتے؟ کیا اس حکمت رسولؐ میں ہمارے لیے کوئی روشنی نہیں؟ عقبۂ ثانی کے بعد آپؐ نے بارہ آدمیوں کو جو بارہ قبیلوں کے نمایندے تھے، اپنی طرف سے نقیب یا سردار مقرر کیا اور ان میں سے ایک فرد کو ان کا سردار بنایا۔ ان کی فرمائش پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دین کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجا۔ کیا اس سے دعوت کے لیے تنظیم کی ضرورت کا احساس نہیں پیدا ہوتا؟

دعوتِ دین اور خواتین

دعوتِ دین کی منصوبہ بندی میں جہاں مردوں کا حصّہ ہے وہیں خواتین کے لیے بھی بھرپور

منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ پہلی وحی کے بعد حضرت خدیجہؓ کی جانب سے آپؐ کے لیے تسلی کے کلمات، کارِ دعوت میں خواتین کی جانب سے ہم رکابی کی بہترین مثال ہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ کا حدیبیہ کے موقع پر نبیؐ کو مشورہ دینا اور حضرت عائشہؓ کا فقیہانہ کارنامہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ کارِ نبوت کی تکمیل و ترویج میں خواتین کا بھی بڑا اہم رول رہا ہے۔ مکہ سے ہجرت حبشہ کی ساری داستان اور نجاشی کے دربار میں کفارِ مکہ کے سفیروں کی آمد، ان کی ریشہ دوانیوں کی تفصیلات، نجاشی اور حضرت جعفر طیارؓ کے مکالمے کے متاثر کن واقعات کا خاکہ حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے جو تاریخ دعوت و عزیمت کا درخشاں باب ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جو مشورہ حضرت اُم سلمہؓ نے آپؐ کو دیا ہے، اس سے بھی ان کی ذہانت، معاملہ فہمی اور غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج ہم ایسا رول خواتین کو دینے کے لیے تیار ہیں؟

دورِ اوّل کے بعد بھی بہت سی روشن مثالیں ہیں، تاہم چغتائی خاندان مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا، مگر ہلاکو خان کی مسلمان بیوی نے اسے سب سے پہلے اسلام سے متعارف کیا اور اسی کے اثر سے مبارک شاہ اور براق خان مسلمان ہوئے۔ تاتاری فوجوں کے ہزارہا سپاہی اپنے ساتھ جن مسلم خواتین کو لے گئے تھے، انھوں نے اسلام کو چھوڑ کر اپنے کافر شوہروں کے مذاہب کو اختیار کرنے کے بجائے اپنے شوہروں اور ان کے اکثر بچوں کو مسلمان کرلیا اور انھی کی بدولت تمام بلادِ تاتار میں اسلام پھیل گیا۔ آج بھی یورپ اور امریکا میں خاص طور پر ۱۱ر ستمبر کے بعد مردوں سے زیادہ خواتین، اسلام کی دعوت قبول کر رہی ہیں۔ انھیں اسلام میں اپنی عزت وعفت کی حفاظت اور حقوق کے حصول کی روشنی اور پرسکون خاندان کی چاشنی نظر آتی ہے۔ اس کے لیے مسلم خواتین میں بھی داعیہ ہونے کا جذبۂ صادق ابھارنے اور نومسلم خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

دعوت اور خدمتِ خلق

دعوتِ دین کی منصوبہ بندی میں ایک اہم کام خدمت خلق کو اس کا صحیح مقام دینا ہے۔ آج مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ عالی شان مساجد کی تعمیر جیسے امور تک ہی محدود ہے، جب کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا، قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کو اس سے چھٹکارا دلانا،

نادار بن بیاہی لڑکیوں کے نکاح کا انتظام کرنا، بیواؤں کی مدد کرنا، ارضی وسماوی آفات اور وبائی امراض کے وقت بلاتفریق مذہب وملت فائدہ پہنچانا اسلامی تعلیمات کا حصّہ ہے۔ آج، جب کہ تعلیم اور علاج معالجہ ایک نفع بخش تجارت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور صرف مال دار طبقے کے لوگوں تک ہی اس کا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس میدان میں آگے بڑھ کر خدمت خلق کے ذریعے دعوتِ دین کے لیے نرم گوشے پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ دوسری اقوام، خاص طور پر عیسائی برسوں سے یہ کام کر رہے ہیں اور عیسائیت کے فروغ کے لیے اس کے اثرات بھی معاشروں میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا ہم رحمۃ للعالمینؐ کے امتی بھی ایسا نہیں کر سکتے؟

دعوتِ دین کے جدید ذرائع

دعوتِ دین کے منصوبے میں معاشرے کے مختلف طبقوں کے لیے الگ الگ انداز سے اثرانداز ہونے کی ضرورت پر بھی غوروخوض کرنا ہوگا۔ ہمارے معاشروں میں ایک قابلِ لحاظ تعداد ناخواندہ اور کم تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے، جنھیں لکھنے پڑھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے لیے اسلام کے مختلف پہلوؤں کو ڈی وی ڈیز کے ذریعے اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح پڑھے لکھے احباب کے لیے ان کے ذہن وفہم کو سامنے رکھ کر خاص لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز میڈیا کے اصحاب سے دوستی کر کے بھی مفید نتائج برآمد کیے جاسکتے ہیں۔

جدید ذرائع ابلاغ نے دعوتِ دین کو وسیع طور پر پہنچانے کا اچھا ذریعہ فراہم کیا ہے۔ رسول اکرمؐ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک دور آئے گا کہ اسلام ہر کچے پکے گھر میں پہنچے گا۔ آج ایسا ممکن ہے۔ اس کے لیے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا صحیح اور بھرپور استعمال ہونا چاہیے۔ کمپیوٹر دورِ جدید میں قلم کی ایک اعلیٰ شکل ہے اور دعوتِ دین اور اپنی بات کو مؤثر اور بہ عجلت پہنچانے کا ایک مفید ذریعہ ہے، جو اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ، سوشل میڈیا کے ذریعے سے بھی ہم اپنی بات کو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو گھر بیٹھے پوری دنیا میں پہنچا سکتے ہیں اور تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کر سکتے ہیں۔

بلاشبہہ ان جدید ذرائع میں فحاشی، عریانی اور گندگی کی بھرمار اور اختلاط مرد وزن کی وجہ سے دین دار طبقوں میں اس کے استعمال کے سلسلے میں کافی تردّد پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس معاملے میں شرح صدر کے لیے اسوۂ رسولؐ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ کے رسولؐ نے 'عکاظ' کے

میلے میں پہنچ کر اپنی بات رکھی۔ اسی طرح آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر 'یاصباحا' کی آواز بلند کی، لیکن اسی دور میں اس کام میں جو قباحت موجود تھی اسے دور کر کے اس ذریعے کا استعمال کیا، یعنی 'نذیرِعریاں' (برہنہ ڈرانے والا)۔ جاہلیت میں کوئی اہم خبر دینی ہوتی تو اس پہاڑی پر ایک شخص بالکل برہنہ ہوکر لوگوں کو اس سے آگاہ کرتا تھا۔ آپؐ نے کپڑے اتارے بغیر اس ذریعۂ پیغام رسانی کو دعوتِ دین کے لیے استعمال کیا۔ آج بھی ہمیں جدید ذرائع وسائل کو دنیوی قباحتوں سے پاک کر کے وحی الٰہی اور پیغام محمدیؐ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ ہمارے علمائے کرام اس ضمن میں سنجیدگی سے غوروفکر فرمائیں گے اور جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کے حدود و قیود کا مناسب انداز میں جائزہ لیں گے۔ دنیا جائز اور ناجائز کے دو کناروں پر کھڑی ہے۔ کیا دعوتِ دین اور کارِرسالت کے لیے ان کے درمیان کوئی بیچ کی راہ نکالی نہیں جاسکتی؟

دُور اندیشی اور مستقبل بینی کی ضرورت

دعوتِ دین کی منصوبہ بندی جہاں دردمندی چاہتی ہے، وہیں دوراندیشی اور مستقبل بینی کی بھی دعوت دیتی ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے افراد، حالات اور ضروریات کے پیش نظر مختلف فیصلے کیے، ان سب میں دعوت و عمل کے لیے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ بعض قبائل کے قبول اسلام کے واقعات اس کی تائید میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن افسوس اس نبویؐ دوراندیشی اور مستقبل بینی کو بھول جانے کی وجہ سے مسلمان اسلام کی ترویج و اشاعت کی راہ میں خود رکاوٹ بن گئے اور بن رہے ہیں۔

دعوت کی منصوبہ بندی کے لیے ملت کے ہر فرد کو اپنے اندر داعی ہونے کا شعور اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے قول و عمل میں صحیح اسلامی کردار کی تصویر بننے کا عزم کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اپنے خاندان اور اپنی معاشرت کو تضادات سے پاک کر کے ایک مثالی معاشرہ بنانے کی سعی و جہد کرنی چاہیے اور ملک کے مختلف افراد کو اپنی ذاتی و شخصی پسند و ناپسند اور مختلف جماعتوں، مسلکوں اور طبقوں کو اپنے محدود دائرے سے باہر نکل کر اتحادِ فکر و عمل کا نمونہ بننا چاہیے۔